قسط نمبر۳

جناب مولانا محمد شہاب الدین ندوی صاحب

انبیاءؑ کا مشن اور علماء کی ذمّہ داریاں

اور عصر جدید میں رسالتِ محمدیؐ کا نیا اعجاز

۶۔ قرآن اور جدید اکتشافات :- اوراب جہاں تک سائنسی علوم کی تغیرپذیری کا تعلق ہے تو یہ ایک بے بنیاد شبہ بلکہ ایک واہمہ ہے، جو ان علوم سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ سائنسی حقائق جو تجرباتی ہونے کی بنا پر "استقرائے تام" کے درجے میں ہوں وہ کبھی نہیں بدلتے۔ یعنی وہ تجرباتی حقائق جو بار بار کے تجربوں کے باعث یکساں نتائج کے حامل ہوں اور ان کو اصطلاح میں "قوانین قدرت" (لاز آف نیچر) کہا جاتا ہے اور یہ قوانین اسباب وعلل کے تابع ہوتے ہیں۔ چنانچہ طبیعی اعتبار سے جب بھی کہیں "علت" ظاہر ہوگی تو اس کے نتیجے میں ایک "معلول" وجود میں آئے گا اور ان دونوں میں لزوم کا پایا جاتا ہے۔ مثلاً آگ جلاتی ہے کیونکہ اس میں گرمی وتپش کی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح پانی آگ بجھاتا ہے، پیاس بجھاتا ہے، کھانا ہضم کرنے میں مدد دیتا ہے، گندگی دور کرتا ہے۔ زہر کھانے سے موت واقع ہوجاتی ہے۔ بدن میں چاقو چبھونے سے خون نکلتا ہے، زور کی مار سے درد ہوتا ہے، روٹی کھانے سے بھوک رفع ہوتی ہے، گندگی پھیلانے سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ تو چند سادہ مثالیں ہیں مگر سائنس دان مظاہر فطرت کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرکے انتہائی باریک بینی کے ساتھ ایسے طبیعی وحیاتیاتی "قوانین" یا "علت ومعلول" کی کارفرمائیاں دریافت کرتے ہیں جو ایک عام آدمی کی دسترس سے باہر ہوتی ہیں۔اور یہ قوانین وضوابط دو قسم کے ہیں، پہلی قسم اشیائے عالم کی بناوٹ اور ان کی ساخت و پرداخت سے متعلق ہے اور دوسری قسم ان اشیاء کے باہمی "ربط وتعلق" یا "علت ومعلول" کے تحت ہے چنانچہ ان دونوں کے بعض حقائق بالترتیب بیان کئے جاتے ہیں۔ خوردبینی مشاہدات کے ذریعہ پتہ چلا ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں نہایت درجہ باریک اجزاء سے مل کر بنی ہوئی ہیں جن کو عناصر کہاجاتا ہے اور یہ تعداد میں ۹۲ ہیں۔ جیسے ہائیڈروجن، آکسیجن، کاربن، نائٹروجن، کیلشیم، فاسفورس، کلورین، سلفر، پوٹاشیم، سوڈیم میگنیشیم، لوہا، ایوڈین اور سلیکون وغیرہ وغیرہ اور یہ عناصر عالم مادی کی بنیادی اینٹیں ہیں جن سے موجودات عالم کی تشکیل وترکیب عمل میں آئی ہے۔ چنانچہ مٹی، پانی اور ہوا میں ہر جگہ یہی عناصر پائے

جاتے ہیں جو طاقتور خوردبینوں سے نظر آتے ہیں۔ اور جمادات، نباتات اور حیوانات سب کی تشکیل میں انہی کا وجود دکھائی دیتا ہے جس طرح حروف تہجی سے الفاظ، الفاظ سے جملے اور جملوں سے بامعنی عبارتیں اور کتابیں وجود میں آتی ہیں بالکل اسی طرح ان مفرد عناصر سے مرکبات یا سالمات، سالمات سے خلیے خلیوں سے اعضاء اور اعضاء سے اجسام (حیوانات ونباتات) تشکل ہوتے ہیں۔ یوں تو کارخانہ قدرت میں ۹۲ عناصر پائے جاتے ہیں مگر حیوانات ونباتات کی تشکیل صرف چودہ عناصر سے عمل میں آتی ہے جو اوپر مذکور ہیں۔ پانی، ہائیڈروجن اور آکسیجن کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ پانی کا ایک "سالمہ" (مالے کیول) ہائیڈروجن کے دو جوہروں اور آکسیجن کے ایک جوہر سے مل کر بنا ہوا ہے۔ ہوا کی تشکیل میں ۴/۵ حصے نائٹروجن اور ۱/۵ حصہ آکسیجن نے حصہ لیا ہے۔ کھانے کا نمک سوڈیم اور کلورین کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ نمک کے ایک سالمے میں ان دونوں عناصر کا ایک ایک جوہر پایا جاتا ہے اور ہم جو غذا کھاتے ہیں وہ ہائیڈروجن، آکسیجن، کاربن اور نائٹروجن کا "مرکب" ہے۔ چنانچہ سائنسی تجربہ گاہوں میں مادی اشیاء کی تحلیل وتجزیہ سے یہ تمام حقائق ثابت شدہ ہیں۔ الل ٹپ نہیں بلکہ ان میں بے مثال "حساب دانی" کا مظاہرہ بھی دکھائی دیتا ہے کہ عالم موجودات میں ہرچیز ایک مخصوص مقدار اور مخصوص انداز میں درج شدہ ہے۔ علم کیمیا کی ان تمام تفصیلات کا مطالعہ کرنے کے بعد جب ہم قرآن عظیم پر نظر ڈالتے ہیں تو ہماری آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں کہ یہ سارے حقائق حسب ذیل ربانی کلیات کی تشریح وتفسیر کرنے والے دکھائی دیتے ہیں: "وکل شئی عندہ بمقدار" (اور اس کے نزدیک ہرچیز ایک خاص مقدار کے ساتھ ہے۔ (رعد: ۸) "انا کل شئی خلقناہ بقدر" (ہم نے ہرچیز ایک خاص اندازے سے پیدا کی ہے۔ (قمر: ۴۹)۔ ان آیات کے ملاحظہ سے یہ بے غبار حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ اس کلام حکمت میں ہرچیز کا "بیان" اور ہرچیز کی "تفصیل" موجود ہے۔ اس اعتبار سے تحقیقات جدیدہ کے باعث قرآنی صداقتوں پر آنچ نہیں آتی بلکہ اس کے برعکس اس کے اسرار ومعارف کھلتے چلے جاتے ہیں۔ بس ان کے استنباط کیلئے دیدہ بینا کی ضرورت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ علم کیمیا کے تفصیلی مطالعہ سے نقاش فطرت کے "تخلیقی عجائب" اور اس کی "جادوگری" کے کمالات سامنے آتے ہیں جو ہمارے فکرونظر میں جلاپیدا کرنے کا باعث ہیں۔ الغرض فن علم کیمیا اور طبیعیات کے بیشتر اصول وضوابط دو اور دو، چار کی طرح بالکل واضح ہیں۔ اور یہ علوم چونکہ تجرباتی ومشاہداتی ہیں اس لئے ان علوم کے ذریعہ ثابت شدہ "حقائق" شرعی وعقلی دونوں اعتبار سے قابل حجت ہیں۔ ان علوم کے ذریعہ مادہ اور توانائی کے اسرارو عجائب کا کھوج لگایا جاتا ہے اور قوانین قدرت (قوانین ربوبیت) دریافت کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ دنیا بھر کی سائنسی تجربہ گاہوں میں دن رات ان پر تحقیق ہورہی ہے اور ہزاروں لاکھوں سائنسدان مصروف عمل ہیں۔ اس سلسلے میں ان کا نقطہ نظر اگرچہ خالص

مادی ہے مگر انجانے پن میں وہ خلاق عالم کی صفت ، تکوین" یا تخلیق کے مختلف پہلوؤں کو واضح کررہے ہیں ۔ اسلیئے آج ہر نئی " تحقیق" علام الغیوب کی صفت " علم" کے نئے نئے جلوؤں کو سامنے لارہی ہے۔ چونکہ علم اور تکوین اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتی میں داخل ہیں اسلیئے اللہ تعالیٰ نے اپنی "شناخت" کیلئے مظہری طور پر ن دونوں صفات کی جلوہ نمائی کرائی ہے ۔ چنانچہ صحیفہ فطرت (کائنات) اس کی صفت تکوین کی مظہر اور صحیفہ حکمت (قرآن) اس کی صفت علم کا نمائندہ ہے اور ان دونوں کی تطبیق سے ذات باری تعالیٰ اور اس کے تمام صفات کا جلوہ ظاہر ہوجاتا ہے ۔ اس اعتبار سے رب العالمین کی یہ عجیب وغریب منصوبہ بندی ہے کہ اس نے اپنی ذات وصفات کی نقاب کشائی کے لئے خود منکرین حق کو اس کام پر مامور کیا ہے ۔ لہذا آج اہل اسلام کو اس میدان میں کام کرنے کا ایک سنہرا موقع ہاتھ آگیا ہے مگر اسکے باوجود آج ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں تو اس سے زیادہ محرومی اور کیا ہوسکتی ہے ؟۔

۷ ۔ **تجرباتی علوم اور ان کے حدودوضوابط** :- یہ تھی اشیائے عالم کی خلقت اور ان کی ساخت پر ایک اجمالی نظر اور اب جہاں تک علت ومعلول کی کارفرمائی کا تعلق ہے تو آج دنیائے سائنس نے ایسے بہت سے " خفیہ اسباب" کا پتہ لگالیا ہے جو ایک عام آدمی کے مشاہدہ میں نہیں آتے ۔ اور یہ اسباب وعلل تین قسم کے ہیں ۔ ایک قسم وہ ہے جو نظام قدرت میں پائی جاتی ہے اور جسمیں انسان کا کوئی عمل دخل نہیں ہے ۔ چنانچہ اگر وہ چاہے بھی تو قدرت کے اس نظام کو بدل نہیں سکتا اور اسمیں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرسکتا ۔ بلکہ نظام فطرت یا نظام ربوبیت کی پابندی ہر شخص پر ضروری ہے چاہے وہ کتنا ہی بڑا سائنس دان کیوں نہ ہو بالفاظ دیگر دنیا کے تمام سائنس دان مل کر بھی علت ومعلول کے سلسلے کو بدل نہیں سکتے اور دوسری قسم وہ ہے جو انسان کی دسترس میں ہے یعنی انسان قوانین ربوبیت کی باریکیوں سے آگاہ ہوکر جو فنی اور تکنیکی کمالات (ٹیکنالوجی کے میدان میں) دکھا رہا ہے وہ انہی خفیہ اسباب وعلل کے تابع ہیں ۔ گویا کہ اس نے مادہ اور توانائی کے " بھیدوں" سے آگاہ ہوکر فنی میدان میں ان سے مستفید ہونے کا گر معلوم کرلیا ہے اور اس لحاظ سے بھی وہ گویا کہ نظام فطرت ہی کی پیروی کررہا ہے نہ کہ فطرت کے قوانین سے آزاد ہوکر اس فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئیے ورنہ عام طور پر لوگوں کو اشتباہ ہوجاتا ہے اور وہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ایک سائنس دان جوچاہے کرسکتا ہے جبکہ اس قسم کا عقیدہ اسلامی نقطہ نظر سے کھلا ہوا شرک ہے ۔ سائنسی یا انسانی کمالات کی ایک حد ہے جسکے باہر وہ جا نہیں سکتا اور جو چاہے کر نہیں سکتا ۔ غرض اس موقع پر ان دونوں اقسام پر مختصر گفتگو کی جاتی ہے اور قدرتی اسباب وعلل کی دو مثالیں بیان کی جاتی ہیں ۔

(۱)۔ مسلسل تجربات کے بعد منکشف ہوا ہے کہ حیوانات ونباتات باہم آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کا تبادلہ کرتے ہیں اور دونوں کے آپسی تبادلے ہی کے باعث فضا میں موجود آکسیجن کا تناسب قائم رہتا ہے۔ چنانچہ حیوانات سانس کے ذریعہ آکسیجن اپنے جسموں کے اندر داخل کرتے اور کاربن ڈائی آکسائیڈ باہر نکالتے ہیں۔ مگر اس کے برعکس نباتات کاربن ڈائی آکسائیڈ اخذ کرکے آکسیجن خارج کرتے ہیں اور یہ ایک عجیب وغریب مظہر ربوبیت ہے اگر یہ دوطرفہ عمل نہ ہوتا تو تمام حیوانات کا وجود خطرہ میں پڑجاتا۔ کیونکہ حیوانات بغیر آکسیجن کے زندہ نہیں رہ سکتے اور یہ مظہر ربوبیت خلاق عالم کی صفت "رحمانیت" کی بہت بڑی دلیل ہے۔

(۲)۔ اسی طرح نباتات جو غذا تیار کرتے ہیں وہ بھی کرشموں سے بھرپور ایک مظہر ربوبیت ہے جس کی صحیح حقیقت وکیفیت سمجھنے سے انسان عاجز ہے۔ چنانچہ غذا کی تیاری کا عمل نباتات کی پتیوں میں ہوتا ہے اور پتیوں میں ہرے رنگ کے ننھے ننھے ذرات ہوتے ہیں اور پتیاں انہی ذرات کی بناء پر ہری دکھائی دیتی ہیں۔ چنانچہ خوردبین سے دیکھنے پر پتہ چلا ہے کہ ان ہرے ذرات کے درمیان کافی حدتک خالی جگہ ہوتی ہے جو بےرنگ ہوتی ہے۔ غرض پتیوں میں موجود یہ ذرات جڑوں کی مدد سے حاصل شدہ پانی اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کے ذریعہ حاصل شدہ کاربن کو لے کر سورج کی روشنی کی مدد سے (روشنی کے ذرات، یعنی فوٹانوں کو اپنے اندر جذب کرکے) اور ان تینوں کو "آمیزہ" کرکے ایک خوشگوار اور خوش ذائقہ مادہ تیار کرتے ہیں جسے علم نباتات کی اصطلاح میں "موادنشائیہ" (کاربوہائیڈریٹ) کہاجاتا ہے۔ (۱) اور یہ کسی بھی غذائی مادہ (چاول، گیہوں، جوار، باجرہ اور مکئی وغیرہ) اور کسی بھی پھل اور میوے کا بیشتر حصہ ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے نباتات غذائی "فیکٹریاں" ہیں جو مسلسل مصروف عمل رہ کر انسان اور دیگر حیوانات کے لئے غذا تیار کرتے ہیں۔ اگر خالق کائنات نباتات کا یہ سلسلہ جاری نہ کرتا تو روئے زمین پر کسی انسان یا حیوان کا وجود نہ ہوتا۔ غرض تمام مظاہر فطرت آپس میں علت ومعلول کے مضبوط ترین رشتے میں بندھے ہوئے ہیں اور ان اسباب وعلل کا تعلق چاند سورج کی کارفرمائیوں سے بھی ہے اور ہوا اور بارش کے نظاموں سے بھی۔ خشکی وسمندر سے بھی ہے اور کہساروں اور آبشاروں سے بھی، طب وصحت سے بھی ہے اور ماحولیات سے بھی۔ اس کائنات مادی کا کوئی بھی مظہر فطرت علت ومعلول کی زنجیروں سے آزاد یا "خودمختار" نہیں ہے۔ اس اعتبار سے ربوبیت ایک مکمل اور ہمہ گیر مشین کے طور پر کام کررہی ہے جو توحید باری کی ایک روشن ترین دلیل ہے اور جس میں کہیں بھی "بخت واتفاق" کا نام ونشان بھی نظر نہیں آتا۔ اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہئیے کہ انسان اشیائے عالم کے جو بھی اسباب وعلل

(۱)۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث کیلئے راقم سطور کی کتاب "قرآن حکیم اور علم نباتات" دیکھی جائے۔

دریافت کررہا ہے وہ محض ان کی ظاہری کارکردگیوں سے متعلق ہیں۔ مگر وہ ان کی باطنی کیفیت اور ان کے باطنی احوال وکوائف کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ اس حقیقت کو تمام سائنس دان اور تمام فلاسفہ تسلیم کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انسانی علم صرف "ظواہراشیاء" (فیومینا) تک ہی محدود ہے وہ "بواطن اشیاء" (نومینا) سے کسی بھی طرح واقف نہیں ہوسکتا۔ گویا کہ دنیائے سائنس کا علم اشیاء کے ظاہری ڈھانچے سے تعلق رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر خود اوپر بیان کردہ مثال ہی کو لیجئے دنیائے سائنس نے اس بات کا تو پتہ چلا لیا کہ مواد نشائیہ کی تیاری درختوں اور پودوں کی پتیوں میں ہوتی ہے اور ان میں موجود ہرے رنگ کے ذرات یہ عمل کرتے ہیں مگر وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ یہ ذرات سادہ پانی اور کاربن کو لیکر یہ میٹھا اور خوشگوار مواد کس طرح تیار کردیتے ہیں؟ اور اس عمل میں حقیقتاً کونسا میکانزم کام کرتا ہے؟ چنانچہ ایک سائنس دان بڑی حسرت کے ساتھ کہتا ہے کہ افسوس کہ ہم پتیوں کے اس اندرونی میکانزم کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

Unfortunately,we do not understand the machonism of this process. (Cell Physiology and Bio chemistry, william D Meelroy, P.111, Fifth Indian Reprint,1978)

غرض انسان سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں جو کارنامے انجام دیتا ہے وہ قابل فہم اور قابل تفہیم ہوتے ہیں مگر ربوبیت کا کوئی بھی فعل قابل تفہیم وتوجیہہ نہیں ہوتا۔ گویا کہ "افعال الٰہی" حیرتوں اور کرشموں سے بھرپور ہوتے ہیں۔ چنانچہ لفظ "الٰہ" کے لغوی معنی ایسی ہستی کے ہیں جو اپنے افعال میں حیرت انگیز ہو (۲) اور اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ باری تعالیٰ کی ربوبیت "الوہیت" کے روپ میں جلوہ گر ہے گویا کہ ربوبیت کے افعال "حیرت انگیزیوں" سے بھرپور ہیں، جن کی کنہ وحقیقت کا ادراک کرنے سے انسان قاصر ہے۔ قرآن عظیم میں انسان کو "علم قلیل" دیے جانے کا جو تذکرہ کیا گیا ہے وہ اسی اعتبار سے ہے جو ایک ابدی وسرمدی حقیقت ہے اور یہ حقیقت کبھی بدل نہیں سکتی۔ بہرحال یہ چند قدرتی اسباب وعلل کا ایک تذکرہ اور ان پر ایک مختصر تبصرہ تھا۔ اب فنی وتکنیکی اعتبار سے یعنی سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان کی طرف آئیے اور انسان اس میدان میں جو زبردست کارنامے انجام دے رہا ہے ان کا جائزہ لیجئے تو صاف نظر آئے گا کہ وہ بھی اسباب وعلل ہی کے تابع ہیں۔ ان سے آزاد نہیں۔ چنانچہ آج کا انسان مادہ وتوانائی کے خفیہ اسرار کا (ظاہری اعتبار سے) پتہ چلاکر بر وبحر کو مسخر کرچکا ہے۔ طب وصحت کی دنیا میں ایک انقلاب پیدا کرچکا ہے۔ مصنوعی غذائیں تیار کرکے اپنی "کیمیاگری" کے

---

(۲). دیکھئے "النہایۃ فی غریب الحدیث" ابن اثیر ۱/۴۲ بیروت نیز لسان العرب، ابن منظور ۱۳/۴۶۷ بیروت

جلوے دکھارہا ہے ۔ اشیاء وعناصر کی " قلب ماہیت" کرکے نئے نئے " مرکبات" مارکیٹ میں لارہا ہے ۔ لیزر شعاؤں کو دریافت کرکے محیرالعقول کارنامے انجام دے رہا ہے ، ایکسرے شعاؤں کے ذریعے اشیاء کے اندرون میں جھانک رہا ہے ، کمپیوٹر سائنس میں ترقی کرکے پوری دنیا کو اپنی مٹھی میں کرچکا ہے ۔ ڈھیر سارے الیکٹرونکس اشیاء ایجاد کرکے ایک نئے تمدن کو جنم دے چکا ہے ۔ مصنوعی سیاروں کے ذریعہ ذرائع مواصلات کو بہتر سے بہتر بنانے میں ایک حیرت انگیز انقلاب لاچکا ہے ۔ جس کی بدولت آج پوری دنیا سکڑ کر ایک چھوٹے سے شہر کے مانند بن گئی ہے ۔ ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم تیار کرکے کمزور قوموں کو ڈرا دھمکا رہا ہے ۔ راکٹوں اور خلائی جہازوں کی مدد سے کرہ ارض سے نکل کر چاند کو مسخر کرچکا ہے اور اب مریخ ومشتری پر ڈورے ڈال رہا ہے اور پھر زمین پر بیٹھے بیٹھے مریخ کی سطح کا مطالعہ اس طرح کررہا ہے گویا کہ وہ بذات خود وہاں چل کر مشاہدہ کررہا ہو ۔ غرض یہ سارے سائنسی کمالات علت ومعلول کے تابع اور چند طبیعی ضوابط کے پابند ہیں جو خلاق عالم کے پیداکردہ ہیں اور موجودہ انسان انہی تمام ضوابط سے آگاہ ہوکر یہ سب کچھ کررہا ہے گویاکہ وہ اس کرہ ارض کی " مادی خلافت" پر قابض ہوچکا ہے مگر آج کے مسلمان ہیں کہ ان قوانین ربوبیت کا مطالعہ کرکے ترقی یافتہ قوموں کے ہم پلہ ہونے اور فوجی وسیاسی اعتبار سے " طاقت" کے توازن کو برابر رکھنے کے بجائے نہ صرف ان علوم کی کارفرمائی سے ناواقف ہیں بلکہ انہیں " تغیرپذیر" علوم قرار دےکر ان سے چھوت چھات برت رہے ہیں ۔ اور اس اعتبار سے وہ دینی ودنیوی دونوں حیثیتوں سے گھاٹے میں ہیں ان تجرباتی علوم سے جب تک بیگانگی رہے گی ، ہماری " بےچارگی" دور نہیں ہوسکتی ۔ جو قوم یا جو ملت حقائق کی دنیا سے منہ موڑ کر کاہلوں کی طرح زندگی بسر کررہی ہو اس کی مدد کوئی نہیں کرتا ۔ یہ دنیا کش مکش اور مقابلہ آرائی کی دنیا ہے جو سخت محنت چاہتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات اسباب وعلل کے تحت پیدا کی ہے اور اس دنیا کا ذرہ ذرہ اسباب وعلل کی زنجیروں میں بندھا ہوا ہے ۔ اسلام نے اسباب وعلل کو یکسر نظرانداز کرنے کی تعلیم نہیں دی ۔ لہذا اسباب وعلل کو نظرانداز کرکے جو قوم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ جائے وہ زندگی کے میدان میں ہمیشہ مار کھاتی رہے گی ۔ اور غالب قومیں اسے نوالہ تر سمجھ کر آسانی کے ساتھ مغلوب کرلیں گی جیساکہ آج امت مسلمہ کا حال زار ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں اپنا یہ ابدی فیصلہ بہت پہلے اس طرح سنا چکا ہے ۔

" وان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لایکونوا امثالکم " (اگر تم منہ موڑ لوگے تو وہ تمھاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا پھر وہ تمھاری طرح نہ ہوں گے) (محمد ۳۸) ۔ یہ آیت کریمہ کار خلافت اور انفاق فی سبیل اللہ کے سلسلے میں وارد ہوئی ہے جو اسلام کا ایک بنیادی ہدف ہے ۔

۸۔ معجزہ رسولؐ کی نئی تجلیاں:- اللہ تعالیٰ کی سنت ہر دور میں یہ رہی ہے کہ عصری علوم کا زور توڑنے کیلئے انبیائے کرام علیہم السلام کو معجزات بھی عصری ذہنیت ہی کے مطابق دیئے گئے ہیں۔ کسی دور مین جادو کا زور تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے ملتا جلتا معجزہ دے کر بھیجا گیا۔ کسی دور میں طب کا غلبہ تھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اسی قسم کا معجزہ دیا گیا۔ مگر پیمبر آخرالزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتابی شکل میں ایک ایسا معجزہ عنایت کیا گیا جو کسی ایک اعتبار سے نہیں بلکہ متعدد اعتبارات سے ایک حیرت انگیز معجزہ ہے اور چودہ سوسال گزرجانے کے باوجود وہ نئے نئے انداز سے اپنے جلوے دکھارہا ہے اور ہر دور کی ذہنیت کا توڑ کررہا ہے۔ آج چونکہ جدید علوم وفنون اور جدید فلسفوں کا دوردورہ ہے تو وہ اس میدان میں بھی پیچھے نہیں ہے بلکہ وہ آج بھی ان علوم اور فلسفوں کے مقابلے میں ایک زبردست معجزہ کے طور پر جلوہ افروز نظر آرہا ہے اور الحادی فلسفوں کی سرکوبی کرکے دین الٰہیٰ کا بول بالا کرنے کی استعداد رکھتا ہے۔

انبیاء کرامؑ کو جو بھی معجزہ عطا کیا جاتا ہے وہ "دلیل رسالت" کے طور پر ہوتا ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اس حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ معجزہ کو دیکھ کر انؐ کے برحق ہونے کا اعتبار اور دین الٰہیٰ کا اتباع کریں۔ چنانچہ ایک حدیث میں سنت الٰہیٰ کی اس حکمت اور اس کے فلسفے پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے:

"مامن الانبیاء من نبي الاقد اوتی من الآیات مامثله آمن علیه البشر وانما کان الذی اوتیت وحیاً اوحی الیَّ"

ہر نبی کو ایسا معجزہ دیا گیا تھا جس پر لوگ ایمان لائے۔ مگر مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے وہ (خدا کی) وحی ہے جو مجھے عنایت کی گئی ہے۔ (۳)۔ اس اعتبار سے "وحی الٰہی" رسالت محمدیؐ کا سب سے بڑا اعجاز اور سب سے بڑا معجزہ ہے۔ فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے بھی اور ہدایت ورہنمائی کے اعتبار سے بھی اور اسی طرح وہ انسانی معاشرہ کےلئے درکاراحکام ومسائل کی جامعیت اور عقلی ومنطقی دلائل کے لحاظ سے بھی ایک معجزہ ہے لیکن ان تمام اعتبارات کے علاوہ وہ عصرجدید کے علوم وفنون کے مقابلے اور ان کی شکست وریخت کے لحاظ سے بھی ایک زبردست اور بےمثال معجزہ دکھائی دیتا ہے اور اس کا یہ معجزہ اور علمی اعجاز "وحی الٰہیٰ" ہے، جس کا تفوق آج عصری علوم کے مقابلے میں ظاہر ہورہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آج جدید سے جدید تر تمام سائنسی علوم اپنی ہی تحقیقات کے زور میں وحی الٰہی کی تصدیق وتائید کررہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وحی الٰہیٰ کے سامنے سرنگوں ہوکر سجدہ ریزیاں کررہے ہیں اور اس قسم کے عجیب وغریب معجزہ کا نظارہ

(۳)۔ صحیح مسلم: ۱/۱۳۴، مطبوعہ ریاض، مسند احمد: ۲/۳۴۱، بیروت۔

چشم فلک اب تک نہیں کرسکا ہے جو دین وشریعت کی تاریخ میں انتہائی نرالا ہے۔ غرض رسالت محمدیؐ کی حقانیت پر دلالت کرنے والا یہ معجزہ (کلام الہیٰ) محض اس کی فصاحت وبلاغت یا اس کے کسی اور وصف تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ ایک زندہ اور لازوال معجزہ ہے۔ معجزہ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ سنت الہیٰ کے مطابق متعلقہ دور کے لوگوں کو متاثر کرے تاکہ وہ اس کے من جانب اللہ ہونے کا یقین کریں۔ اس اعتبار سے معجزہ دراصل وہ "فوق الطبیعی کرشمہ" ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے وجود کی "خبر" دینے یا عالم انسانی کو متنبہ کرنے کی غرض سے اپنے مخصوص بندوں (رسولوں) کے ذریعے ظاہر کرتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی ازلی سنت ہے جو ہمیشہ سے جاری ہے۔ اس خدائی حکمت وفلسفے کا تقاضا یہ تھا کہ عصرجدید میں بھی کوئی نیا معجزہ ظہور میں آئے کیونکہ عصرجدید پر قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت حجت نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ موجودہ دور کے لوگ اس کی فصاحت وبلاغت سمجھنے سے قاصر ہیں اور اس باب میں عجمی تو عجمی خودعربی زبان کے جاننے والوں کا بھی یہی حال ہے "الاماشاء اللہ" اور پھر علمائے بلاغت کی آرائے کے مطابق قرآنی بلاغت کی تفہیم وتشریح کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ ایک ذوقی چیز ہے۔ (۴)۔ اس لحاظ سے معجزہ وہ ہونا چاہئیے جسے تمام لوگ سمجھ لیں یا اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، اسی لئے قرآن عظیم کو ہردور کیلئے اور ہر اعتبار سے معجزہ بنایاگیا تاکہ اس کے اعجاز کا کسی بھی دور میں انکار نہ کیا جاسکے۔ چنانچہ اس کتاب حکمت کا جب بھی کوئی ایک روپ لوگوں کی نظروں سے (عصری علوم ومسائل کے لحاظ سے) اوجھل ہونے لگتا ہے تو اس کا دوسرا اور نیا روپ سامنے آجاتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو متاثراور مبہوت کرسکے۔ یہی وہ سنت الہیٰ ہے جو ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔ اس موقع پر ایک اعتراض یہ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن کی فصاحت وبلاغت کے علاوہ اس کی اور بھی تودیگر خصوصیات موجود ہیں جیسے اس کی ہدایت ورہنمائی اس کے احکام کی جامعیت اور اس کے عقلی ومنطقی دلائل وبراہین وغیرہ جن کے ملاحظہ سے عصرجدید کا انسان ایمان لاسکتا ہے۔ لہذا اس کے اثبات کےلئے قرآن اور عصری علوم کی تطبیق ہی کیوں ضروری ہے؟ تو اس کا جواب کئی طریقوں سے دیا جاسکتا ہے، اول یہ کہ حدیث شریف میں "وحی الہیٰ" کا جو تذکرہ ہے وہ اس جدید معجزہ یا معجزہ رسول کے جدید روپ کے عین مطابق ہے، یعنی اس مظاہرہ حق کے ذریعے دراصل وحی الہیٰ کا اعجاز ثابت کرنا ہے جو قرآن اور جدید تجرباتی علوم کی تطبیق کے باعث ظاہر ہورہا ہے۔ چنانچہ اس سے یہ حقیقت دو اور دو چار کی طرح بخوبی ثابت ہوجاتی ہے کہ علم صرف وہی نہیں جو حواس اور عقل کے ذریعہ ثابت ہوتا ہو، بلکہ علم وہ بھی ہے جو "وحی الہیٰ" کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے اور وحی الہیٰ علم کا ایک محفوظ اور بے خطاماخذ ہے۔

---

(۴)۔ دیکھئے "الاتقان فی علوم القرآن" از جلال الدین سیوطی، ۲/۱۵۳، مطبوعہ مصر۔

بالفاظ دیگر انسانی علم اور اس کے نظریات بدل سکتے ہیں اور ان میں ارتقا ہوسکتا ہے مگر وحی الہیٰ نہ تو بدل سکتا ہے اور نہ اس میں ارتقا کا کوئی سوال ہی پیدا ہوسکتا ہے۔ بلکہ وہ پتھر کی ایک لکیر کی طرح ہمیشہ اٹل رہے گا اور اس کی صداقت ہر دور میں ظاہر ہوتی رہے گی جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وتمت کلمت ربک صدقاً وعدلاً، لا مبدل لکلمته " (اور تیرے رب کی بات پوری ہوئی، سچائی کے لحاظ سے بھی اس کی باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا (۔ (انعام: ۱۱۰)

اس سلسلے میں دوسری بات یہ ہے کہ عصرجدید کا انسان اور اس کے فلسفے چونکہ صرف سائنسی علوم کو " معیارحق" قرار دیتےہوئے مطالبہ کرتےہیں کہ جملہ " اقدار" کی تفہیم وتوجیہہ محسوساتی علوم یا "ثابت شدہ " حقائق کی روشنی میں کی جائے۔بالفاظ دیگر عصری فلسفے مذہبی یا عمرانی علوم کی کسی ایسی حقیقت کو ماننے کیلئے تیار نہیں جو سائنسی اعتبار سے ثابت شدہ نہ ہو۔ لہذا " کلموا الناس علی قدر عقولهم " (لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق گفتگو کرو) کے اصول کی روسے ہر شخص سے اس کے علوم اور اس کی ذہنیت ونفسیات کے مطابق گفتگو کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ اس اصول کی وضاحت بعض احادیث میں اس طرح آئی ہے: حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت اس طرح مروی ہے: " امرنا ان نتکلم الناس علی قدر عقولهم " (ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق گفتگو کریں) (۵)۔ اور حضرت علیؓ سے اس طرح منقول ہے: " حدثواالناس بما یعرفون۔ اتریدون ان یکذب اللہ ورسولہ " (لوگوں سے ان کے جانے بوجھے مسائل کے ذریعہ گفتگو کرو) (چنانچہ مخاطب کے نامعلوم مسائل کے ذریعہ گفتگو کرکے)کیا تم یہ چاہتے ہوکہ اللہ اور اس کے رسول کو.جھٹلایا جائے ؟) (۶)۔

اس اعتبار سے داعیان اسلام پر لازم آتا ہے کہ وہ جدید علوم ومسائل سے آگاہ ہوکر عصرجدید کی ذہنیت کے مطابق خداوندقدوس کی حجت پوری کریں اور اس تطبیق سے قرآنی نظریہ علم کا اثبات وقت کی ایک بہت بڑی ضروری ہے اور اس سلسلے میں تیسری حقیقت یہ ہے (جیساکہ آغاز بحث میں اس کی تفصیل گزرچکی ہے)کہ اس تطبیق کے ذریعہ " اختلاف بین الناس " کے درمیان محاکمہ بھی ہوجائے گا۔ جب تک فیصلہ ومحاکمہ نہ ہوجائے خدائی منطق مؤثر نہیں ہوسکتی۔ لہذا انسان کو قائل کرانے اور اس کی فکری غلطی واضح کرنے کی غرض سے یہ اقدام کیاگیا ہے تاکہ وہ دلیل واستدلال کے میدان میں ہتھیار ڈال دے۔ اسی لئے حاملین قرآن کو حکم ہے کہ وہ منکرین حق کے ساتھ علمی بحث ومباحثہ کرکے ان پر انہی کے " معارف" کے ذریعہ اتمام حجت کردیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(۵). کنزالعمال: ۱۰/ ۱۴۳، مطبوعہ حیدرآباد (۶). ایضاً ۱۰/ ۱۴۶

" ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن "
(لوگوں کو) اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلاؤ ۔ (اور جو اس سے انکار کریں) ان کے ساتھ بہترین طریقے سے مباحثہ کرو) (نحل : ۱۲۵) ۔ چنانچہ مفسرین نے تحریر کیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں دعوت دین کے جو طریقے بتائے گئے ہیں ان میں اصل طریقے صرف دو ہیں :
(۱) حکمت سے مراد یہ ہے کہ اہل علم کے ساتھ دلائل کی روشنی میں گفتگو کی جائے (۲) اور عوام سے وعظ و نصیحت کے طور پر خطاب کیا جائے مگر جو لوگ ان دونوں طریقوں سے رام نہ ہوں ان سے بحث و مباحثہ کیا جائے اور ان کے سامنے علمی دلائل وبراہین رکھے جائیں بلکہ ان " حقائق " (مشہور مقدمات) کو بنیاد بناکر گفتگو کی جائے جو خود ان کے نزدیک معتبر ہوں (۷) ۔ اس لحاظ سے آج جدید علوم ومسائل ہمارے اور منکرین حق کے درمیان گفتگو کا موضوع بن سکتے ہیں اور خود انہی کی تحقیقات کے ذریعہ ان پر اتمام حجت ہوسکتی ہے ۔ کیونکہ تحقیقات جدیدہ میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو دین کے خلاف ہو بلکہ جدید سے جدید تر تمام حقائق ومعارف اسلامی عقائد (اصول دین) کی تصدیق وتائید میں صف باندھے کھڑے ہیں اور یکے بعد دیگرے اپنی شہادت پیش کرتے ہوئے دین الہیٰ کی حقانیت پر مہرتصدیق ثبت کررہے ہیں ۔ عصرجدید میں اللہ تعالیٰ کی یہ عجیب وغریب حکمت ومنصوبہ پوری طرح روشنی میں آچکی ہے جو معجزہ رسول کا ایک تابناک اور حیرتناک مظہر ہے ۔ لہذا حاملین قرآن کو جدید علوم وفنون سے خوف کھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ۔ " خلق اللہ السمٰوت والارض بالحق ، ان فی ذلک لآیۃً للمؤمنین "
اللہ نے زمین اور آسمانوں کو حقانیت (حکمت ومنصوبہ بندی) کے ساتھ پیدا کیا ہے ۔ (چنانچہ ان مظاہر میں) اہل ایمان کےلئے ایک بڑی نشانی موجود ہے ۔ (عنکبوت : ۴۴) حاصل یہ کہ سنت الہیٰ کے مطابق ضرورت اس بات کی تھی کہ رسالت محمدی کے بعد بھی ہر دور کےلئے ایک الگ معجزہ بھیجا جائے جسے دیکھ کر لوگ ایمان لاسکیں ،مگر چونکہ پیمبر آخرزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ ہی ختم نبوت" کا اعلان کردیا گیا ۔ اس لئے اب رہتی دنیا تک قرآن عظیم ہی متعدد حیثیتوں سے " معجزہ" قرار پاچکا ہے تاکہ وہ ہر دور کی ذہنیت کا توڑکرکے اپنے جلوے دکھاتا رہے ۔ اس لحاظ سے اس کی تجلیاں کسی بھی دور میں ماند نہیں ہوسکتیں اور اس کا رنگ کبھی پھیکا نہیں پڑسکتا۔ اسی وجہ سے اسے برہان ، نورہدایت ،فرقان ،اختلافی مسائل میں فیصلہ کرنے والا قرار دیا گیا ہے ۔

(۷) خلاصہ از تفسیر کشاف : ۲/ ۴۳۵ مطبوعہ طہران، تفسیر بیضاوی : ۳/ ۴۲۶ بیروت، تفسیر ابوسعود : ۱۵۱/۵ ، بیروت ،تفسیر کبیر: ۲۰ / ۱۴۱ بیروت ۔

" یایھا الناس قدجاء کم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نوراً مبیناً " (اے لوگو ! تمھارے پاس تمھارے رب کی جانب سے ایک (روشن) دلیل آچکی اور ہم نے تمھارے پاس ایک ایسی روشنی بھیج دی ہے جو بالکل واضح ہے)۔ (نساء : ۱۷۴)۔ " قد جاء کم من اللہ نوروکتاب مبین " (تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور واضح کتاب آچکی ہے) (مائدہ : ۵ : ۱۵) " ھدیً للناس وبینت من الھدی والفرقان " (یہ قرآن) لوگوں کےلئے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت اور حق وباطل میں تمیز کے دلائل موجود ہیں) (بقرہ : ۱۸۵) " لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیہ " تاکہ وہ (کتاب الہیٰ) لوگوں کے باہمی اختلافات کے درمیان فیصلہ کرسکے) (بقرہ : ۲۱۳)۔ " ھوالذی ینزل علی عبدہ ایت بینت لیخرجکم من الظلمت الی النور " : (وہی ہے (اللہ) جو اپنے بندے پر واضح دلائل اتار رہا ہے تاکہ وہ تمھیں (کفرکی) تاریکیوں سے باہر نکال کر (ایمان کی) روشنی میں لے آئے)۔ (حدید : ۹)

" لقد انزلنا الیکم کتاباً فیہ ذکرتم افلا تعقلون " (یقیناً ہم نے تمھارے پاس ایک ایسی کتاب بھیج دی ہے جس میں تمھارا تذکرہ موجود ہے ۔کیا تم نہیں سمجھتے ؟ (انبیاء : ۱۰)

آج اہل علم اسلام کو " وحی الہیٰ " کا اعجاز اور اس کی برتری ثابت کرنے کا ایک نادر اور سنہرا موقع ہاتھ آگیا ہے کہ وہ قرآن اور جدید تجرباتی علوم کے تقابل سے اس جدید ترین قرآنی معجزہ کو علمی اعتبار سے ثابت کریں اور دلیل واستدلال کی روشنی میں بگڑے ہوئے انسانوں کو راہ راست پر لانے پر کمر بستہ ہوجائیں تاکہ خدا کی زمین سے شر وفساد دور ہو اور دین واخلاق کا احیاء ہوسکے ۔ علم دین کی تجدید کےلئے یہ ایک بنیادی قدم ہے جسکے نتیجے میں ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ عمل میں آسکتی ہے ۔ علمائے امت چونکہ انبیائے کرامؑ کے وارث ہیں اس لئے یہ ذمہ داری اصلاً انہیں پر عائد ہوتی ہے اور یہ موجودہ دور کا سب سے بڑا معرکہ ہے جو دینیت اور لادینیت کے درمیان درپیش ہے ۔ لہذا علمائے کرام کو اس راہ میں پوری ہوش مندی اور بیدار مغزی کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے ،ورنہ وہ عنداللہ جواب دہ ہوں گے ۔

وما علینا الاالبلاغ ۔ ((((جاری ہے))))